

اسلام اور ضبط و لاد

(۳)

ضبط و لاد کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر اُن حالات پر مبنی ہیں جو مغربی تہذیب و تمدن نے پیدا کیے ہیں۔ حامیان و ضبط و لاد کا طریقہ فکر یہ ہے کہ تمدن و معاشرت کے یہ امور، اور تہذیب کے یہ طریقے، اور معیشت کے یہ اصول تو ناقابلِ تغیر ہیں۔ البتہ ان سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں، ان کو ضرور حل کرنا چاہیے، اور ان کا آسان حل یہی ہے کہ افزائشِ نسل کو روک دیا جائے لیکن ہم کہتے ہیں کہ تم تمدن و تہذیب کے اسلامی اصول اور معیشت و معاشرت کے اسلامی قوانین اختیار کر کے ان مشکلات ہی کو پیش آنے سے روک دو جنہیں حل کرنے کے لیے تم کو قوانینِ فطرت کے خلاف جنگ کرنی پڑتی ہے۔

اس سلسلہ پر اشاعت گزشتہ میں کافی بحث کی جا چکی ہے۔ لہذا اب ہم صرف ان دلائل سے بحث کریں گے جو مخصوص حالات پر نہیں بلکہ عام انسانی حالات پر نظر کر کے حامیانِ ضبط و لاد نے اپنی کتابوں اور تقریروں میں بیان کیے ہیں۔

خدا کی انتظامات میں مداخلت اسب سے بڑی دلیل جس نے لوگوں کو بہت زیادہ دھوکے میں ڈالا ہے کہ زمین میں مقابل سکونت جگہ محدود ہے۔ انسان کے لیے وسائل معاش بھی محدود ہیں لیکن انسانی نسلوں میں افزائش کی قابلیت غیر محدود ہے۔ زمین میں ایک اچھے معیار زندگی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ملین آدمی سما سکتے ہیں۔ اس وقت زمین کی آبادی دو ہزار ملین تک پہنچ چکی ہے، اور اگر حالات مناسب ہوں تو ۳۰ سال کے اندر یہ آبادی دو گنی ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ اندیشہ بالکل

بجائے کہ ۵۰ سال کے اندر زمین آدمیوں سے بھر جائیگی، اور اس کے بعد نسلوں میں جو اضافہ ہو گا وہ اولاد آدم کے معیار زندگی کو گراتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے لیے پھلے آدمیوں کی طرح زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ پس انسانیت کو اس خطرہ سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ تحدید نسل کے طریقے اختیار کر کے نسلوں کی افزائش کو ایک حد مناسب کے اندر محدود کر دیا جائے۔

Birth limitation

یہ دراصل خدا کے انتظام پر نکتہ چینی ہے جس بات کو یہ لوگ خود حساب لگا کر اس قدر آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ خدا اس سے بے خبر ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ زمین میں کس قدر گنجائش ہے اور انسان کس حد تک اس میں سما سکتے ہیں۔ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ، ان نادانوں کو معلوم نہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ اس کے خزانوں سے جو چیز بھی صادر ہوتی ہے ایک جتنے تلے اندازے پر ہوتی ہے۔ وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُہُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ۔ ان کا گمان خواہ کچھ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ جس ہستی نے اس عالم کو پیدا کیا ہے وہ تخلیق و آفرینش کے فن میں اناڑی نہیں ہے۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ۔ اگر یہ اس کے کاموں کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتے اور اس کے انتظام پر غور کرتے تو ان پر خود ہی روشن ہو جاتا کہ وہ اپنے حساب اور انما میں ان سے زیادہ کامل ہے۔ اس نے اسی محدود رقبہ زمین پر اپنی مخلوق کی بے شمار انواع پیدا کی ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر تو والد و تناسل کی ایسی زبردست قوت ہے کہ اگر صرف ایک ہی نوع، بلکہ بعض انواع کے صرف ایک جوڑے کی نسل کو دو پوری قوت کیساتھ بڑھنے دے تو ایک قلیل مدت میں تمام رو سے زمین صرف اسی نسل سے پٹ جائے، اور کسی دوسری نسل کے لیے ذرہ برابر جگہ باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر نباتات کی ایک قسم ہے جس کو نباتاتیس *Sisymbrium Sophia*

کہتے ہیں۔ اس نوع کے ہر فرد میں عموماً ساڑھے سات لاکھ بیج ہوتے ہیں۔ اگر اس کے صرف ایک پودے کے سب بیج زمین میں اُگ جائیں۔ اور تین سال تک اس کی نسل بڑھتی رہے تو زمین میں دوسری نسلوں کے لیے ایک چپہ بھی باقی نہ رہے۔ ایک قسم کی مچھلی (Star fish) ۲۰۱ کروڑ انڈے دیتی ہے۔ اگر اس کے صرف ایک فرد کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو تیسری چوتھی پشت تک پہنچنے پہنچتے تمام دنیا کے سمندر اسی سے لبالب بھر جائیں اور ان میں پانی کے ایک قطرے کی بھی گنجائش نہ رہے۔ دور کیوں جائے۔ خود انسان ہی کی قوت تناسل کو دیکھ لیجئے۔ ایک مرد کے جسم سے ایک وقت میں جو مادہ خارج ہوتا ہے۔ اس سے تمام دنیا کی بالغ عورتیں حاملہ ہو سکتی ہیں۔ اگر صرف ایک ہی مرد کی پوری استعداد تناسل کو قوت فعل میں آنے کے کا موقع مل جائے تو چند سال میں ساری زمین اس کی اولاد سے کھجی کھج بھر جائے۔ مگر وہ کون ہے جو ہزاروں لاکھوں سال سے کرہ زمین پر ان بے شمار انواع کو اس زبردست قوت تناسل کے ساتھ پیدا کر رہا ہے اور کسی نوع کو اس کی مقررہ مقدار سے آگے نہیں بڑھنے دیتا؟ کیا وہ تمہاری سائنٹفک تدبیریں ہیں، یا خدا کی حکمت؟ خود تمہاری اپنے سائنٹفک مشاہدات گواہ ہیں کہ مادہ ذی حیات میں نشوونما کی قوت بے اندازہ ہے جتنی کہ ایک واحد انخلیہ جرم نامی (Unicellular Organism) میں نمو کی اتنی قوت ہوتی ہے کہ اگر اس کو سپریم غذا ملتی رہے اور تقسیم و تقسیم کا موقع مل جائے تو پانچ سال کے اندر وہ اتنا فی حیات مادہ پیدا کر سکتا ہے جو زمین کی جسامت سے دس ہزار گنا زیادہ ہوگا۔ مگر وہ کون ہے جس نے قوت حیات کے اس خزانے پر کنٹرول مقرر کر رکھے ہیں؟ وہ کون ہے جو اس خزانے میں سے قسم قسم کی مخلوقات نکال رہا ہے، اور ایسے ٹھیک حساب کے ساتھ نکال رہا ہے کہ اس میں نہ کبھی افراط ہوتی ہے نہ تفریط؟

اگر اتنا اپنے خالق کی ان نشانیوں پر غور کرے تو وہ کبھی اس کے انتظام میں دخل

دینے کی جرات نہ کرے۔ یہ سب جاہلانہ اوہام ہیں جو محض اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ آفاق اور خود اپنے انفس میں اپنے رب کی آیات کو نہیں دیکھتے۔ ان کو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ انسانی سعی و عمل کی حد کہاں تک ہے اور کس حد پر پہنچ کر خالص مدائی انتظامات شروع ہوتے ہیں جن میں دخل دینا ضرور کننا بھی پر بھی انسان قادر نہیں ہے۔ جب انسان اپنی حد جائز سے بڑھ کر خدا کے حدود انتظام میں دخل دینے کی کوشش کرتا ہے، تو خدا کے انتظامات میں تو وہ ذرہ برابر بھی خلل انداز نہیں ہو سکتا، البتہ خود اپنے لئے مٹاؤں کاوشیں اور ذہنی الجھنیں ضرور پیدا کر لیتا ہے۔ وہ بیٹھ کر حساب لگاتا ہے کہ دس سال کے اندر ہندو کی آبادی ساڑھے تین کروڑ بڑھ گئی۔ آئندہ دس سال میں چار کروڑ اور بڑھ جائیگی۔ ۲۰ سال میں ۳۰ کروڑ ہو جائے گی۔ ۴۰ سال میں ۶۰ کروڑ ہو جائے گی۔ پھر سوچتا ہے کہ اتنے آدمی آخر کہاں سماؤں گے؟ کیا کھائیں گے؟ کیونچو جیئیں گے؟ اسی فکر میں وہ الجھتا ہے، مضافاً لکھتا ہے، تقریریں کرتا ہے، کمیال بناتا ہے، کونسل میں عقلماء قوم کو اس مسئلے کا حل دریافت کرنے کے لیے توجہ دلاتا ہے۔ مگر وہ بندہ خدا نہیں سوچتا کہ جس خدا نے ہزار ہا سال سے انسانوں کی ہستی اس براغلم میں بے سار رکھی ہے وہ خود اس مسئلہ کو حل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا، اور جب وہ انھیں ہلاک کرنا چاہے گا تو ہلاک بھی کر دیکھا۔ آبادیوں کی پیدائش، اور ان کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور ان کے لیے زمین میں گنجائش نکالنے کا انتظام اسی سے تعلق رکھتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعُهَا
زمین میں چلنے پھرنے والی کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے رزق کا انتظام خدا کے ہوتے نہ ہو۔ اور وہی زمین میں ان کے ٹھکانے اور ان کے سوئے جانے کی جگہ

کُلِّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (۱۱:۱)

کو جانتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب روشن میں لکھا ہوا موجود ہے۔

یہ انتظام ہمارے عقل و نظر کی رسائی سے بہت دور کسی پوشیدہ مقام سے ہو رہا ہے۔ اٹھاؤں

صدی کے خاتمہ سے انیسویں صدی کے وسط تک انگلستان کی آبادی میں جس تیز رفتاری کے ساتھ اضافہ ہوا اس کو دیکھ کر عقلائے فرنگ ابتدا میں حیران تھے کہ یہ بڑھتی ہوئی آبادی کہاں سمائے گی اور کیا کھائے گی۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ انگلستان کی آبادی جس رفتار سے بڑھی، اس سے بدرجہا تیز رفتاری سے اس کے وسائل رزق بڑھے اور انگریزی قوم کو پھیلنے کے لیے زمین کے بڑے بڑے رقبے ملتے چلے گئے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ اضافہ آبادی کے ساتھ ساتھ وسائل رزق میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء کے درمیان اضافہ آبادی کا اوسط ۱۱ فی صدی رہا لیکن زرعی پیداوار میں ۵ فی صدی اور صنعتی پیداوار میں ۱۵ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ گزشتہ ۳۰ سال کے اندر اس ملک کی آبادی تو صرف ۳۱ فی صدی زیادہ ہوئی مگر اس کی زرعی پیداوار میں ۲۹ فی صدی کا اضافہ ہو گیا۔ ظاہر میں ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں موجودہ آبادی سے دو گنی زیادہ آبادی کے لیے وسائل رزق موجود ہیں۔ یہاں کی زمین کا ۶۵ فی صدی حصہ قابل زراعت ہے جس میں سے ابھی تک صرف ۳۵ فی صدی حصہ زیر کاشت آیا ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی ثروت کے بہت سے خزانے یہاں موجود ہیں جن سے ابھی کام لینا باقی ہے صنعت اور تجارت کے میدان میں ابھی تک ہندوستان نے اتنا کام بھی نہیں کیا ہے جتنا دوسرے ممالک کر چکے ہیں۔ اور ترقی کے جو امکانات ابھی پوشیدہ ہیں ان کا تو ہم کوئی انداز ہی نہیں کر سکتے۔ ان سب باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود اگر کوئی شخص اس فکر میں غلط ہو کہ یہ روز افزوں آبادی کہاں رہے گی اور کیا کھائے گی، تو یہ اس کی اپنی حماقت ہے۔ اس کا کام صرف انسانی دائرہ عمل میں رہ کر سوچنا اور عمل کرنا ہے۔ اس دائرہ سے نکل کر وہ خالص خدائی انتظامات کے دائرہ میں قدم رکھنے کی کوشش کرے گا تو اپنے لیے ایسی مشکلات پیدا کر لے گا جن کا درحقیقت کوئی حل اس کے پاس نہیں۔

موت کا بدلہ | حامیان ضبط ولادت تسلیم کرتے ہیں کہ انواع کی تعداد کو ایک حد مناسب کے اندر محدود رکھنے کا انتظام خود فطرت نے کیا ہے، اور یہ انتظام نوع انسانی پر بھی حاوی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ فطرت اس کام کو موت کے ذریعہ سے انجام دیتی ہے جس میں انسان کے لیے سخت روحانی اور جسمانی آفتیں ہیں۔ کیوں نہ ہم اس کے بجائے خود اپنی احتیاطی تدبیروں سے اپنی آبادیوں کو محدود رکھنے کا انتظام کر لیں؟ زندہ انسانوں کے تعمّر اہل ہونے، طرح طرح کی تکلیفوں سے جان دینا اور پسماندوں کے تڑپ تڑپ کر رہ جانے سے تو بدرجہا بہتر یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ انسان پیدا ہی نہ ہوں۔

یہاں پھر یہ لوگ خدائی انتظام میں مداخلت بجا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تمہاری احتیاطی تدبیروں سے کیا جنگ، وبائیں، امراض، سیلاب، زلزلے بند ہو جائیں گے؟ کیا تم نے خدا (یا بزعیم خود فطرت) سے کوئی ایسا معاہدہ کر لیا ہے کہ جب تم ضبط ولادت پر عمل شروع کرو تو فرشتہ موت برطرف کر دیا جائے گا؟ اگر ایسا نہیں ہے، اور یقیناً نہیں ہے، تو بتاؤ کہ ضبط ولادت اور فرشتہ موت کی دوہری کارگزاری کا تختہ مشق بن کر نوع انسانی کا کیا حشر ہو گا؟ ایک طرف تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنی آبادیوں کو گھٹا لو گے۔ دوسری طرف زلزلے ہزاروں آدمیوں کو بیک وقت نذر اجل کر دیں گے، سیلابوں میں بستیوں کی بستیاں اجڑ جائیں گی، وبائیں آکر آبادیوں پر چھا پھیر دیں گی۔ لڑائیوں میں تمہارے سائنٹیفک آلات لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور موت کا فرشتہ فرداً فرداً بھی آدمیوں کی روپیں قبض کر رہا ہے گا۔ کیا تم حساب لگا کر اتنا بھی نہیں معلوم کر سکتے کہ جس خزانے میں آمد گشتی چلی جائے اور خرچ بدستور رہے وہ کب تک بھر پور رہے گا؟

اس سوال کو بھی جانے دو۔ کیا تمہارے پاس اپنی آبادیوں کے لیے ”حد مناسب“ مقرر

کرنے کا کوئی معیار ہے؟ اور اگر بالفرض ہے، تو کیا ہم اس معیار کے مطابق حسب ضرورت بچے پیدا کرنے اور صرف ضرورت سے زیادہ بچوں کی پیدائش روک دینے پر قادر ہو؟ جب عوام الناس میں خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہو جائے، اور وہ اپنے شخصی حالات اور نفسانی رجحانات کی بنا پر بچوں کی ضرورت و عدم ضرورت کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں، اور ضبط ولادت کے عملی طریقے اور وسائل بھی آسانی کے ساتھ ان کو ہم پہنچ جائیں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ ملکوں اور قوموں کی آبادی کو کسی مناسب حد تک ہی گھٹایا جائے۔ اور اس حد سے زیادہ نہ گھٹنے دیا جائے؟ قیاس کی ضرورت نہیں۔ تجرباتی دے رہا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی ایسی کوئی ”محد مناسب“ مقرر کرنے اور افراد کے عمل کو اس حد کے اندر محدود رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ پھر وہ کیا سامان ہے جس کو لے کر ہم اُس خدائی تدبیر میں دخل دینے چلے جو جس کے تحت وہ انسانی بستیوں کے لیے ”حد مناسب“ مقرر کرتا اور ایک اندازے کے ساتھ ان کو گھٹاتا بڑھاتا ہے؟

معاشی حیلہ | کہا جاتا ہے کہ محدود آمدنی رکھنے والے ماں باپ بچوں کی زیادہ تعداد کے لیے اچھی تعلیم و تربیت، عمدہ معاشرت، اور ایک بہتر آغاز (Fair start) کے وسائل ہم پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ جب بچوں کی تعداد والدین کی حد استطاعت سے بڑھ جاتی ہے یا مفلس والدین کے ہاں اولاد پیدا ہو جاتی ہے تو ان کا معیار حیات گر جاتا ہے تعلیم خراب، تربیت ناقص، عدم امکان لباس، ہر چیز بدتر، اور آئندہ ترقی کے راستے محدود۔ ایسے حالات میں بیکار آبادی بڑھانے سے بہتر ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعے بچوں کی تعداد کو اسی حد تک محدود رکھا جائے جس حد تک والدین کے وسائل ساتھ دے سکیں، اور ناموافق حالات میں افزائش نسل کا سلسلہ موقوف رہے اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

یہ دلیل کچھ لوگوں کو بہت اہل کر رہی ہے، اور بنیاد پر بیخوشاں معلوم ہوتی ہے

لیکن حقیقت یہ بھی اتنی ہی کمزور ہے جتنی پہلی دونوں ہیں۔ اول تو اچھی تعلیم و تربیت، ”عمدہ معاشرت“ اور ”بہتر آغاز“ ہی مبہم الفاظ ہیں جن کا کوئی واضح اور تعین مفہوم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے ذہن میں ان کا الگ مفہوم رکھتا ہے، اور ان کے لیے ایسے معیار مقرر کرتا ہے جو اس کے اپنے حالات اور وسائل و وسائل کی صحیح تشخیص پر نہیں بلکہ اپنے سے بہتر لوگوں کے معیار پر پہنچنے کی حرص یا نہ خواہش پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔ ایسے غلط معیار پر جو شخص اپنی اولاد کے لیے ”اچھی تعلیم و تربیت“ اور ”عمدہ معاشرت“ اور ”بہتر آغاز“ کی خواہش مند ہوگا، وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ اس کے ہاں ایک دو بچوں سے زیادہ نہ ہوں، بلکہ بعض حالات میں تو وہ سرے سے بچے اولاد ہی رہنا پسند کرے گا، کیونکہ لوگوں کی خواہشات کا دائرہ عموماً ان کے وسائل کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہوتا ہے، اور جن امور کو وہ خواہشات کے حصول کے موقوف رکھتے ہیں وہ سرے سے ظہور ہی میں نہیں آتے۔ یہ محض نظریہ ہی نظریہ نہیں ہے، بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے۔ یورپ میں اس وقت لاکھوں جوڑے ایسے موجود ہیں جو محض اس لیے بے اولاد رہنا پسند کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر اولاد کی تعلیم و تربیت اور ”عمدہ معاشرت“ اور ”بہتر آغاز“ کا معیار اتنا بلند ہے کہ وہ بالفعل اس تک پہنچنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔

علاوہ بریں یہ دلیل اصولی حیثیت سے بھی غلط ہے۔ قوموں کی ترقی کے لیے یہ بات مفید نہیں بلکہ سخت مضرت رسان ہے کہ ان کی نسلیں تمام تر راحت اور آسائش کے ماحول میں پرورش پائیں اور ان کو مصائب، مشکلات، ناواری، اور جدوجہد سے دوچار ہی نہ ہونا پڑے۔ یہ چیز تو اس سب سے بڑی درس گاہ کو بند کر دے گی جس میں انسان کی تعلیم و تربیت تمہارے مدرسوں اور کالجوں سے زیادہ بہتر طریقہ پر ہوتی ہے وہ درس گاہ زمانے کی دسل گاہ ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے تاکہ انسان کے صبر، استقامت، بہمت اور حوصلوں کی آزمائش کرے، اور انہیں کو پاس کرے جو اس آزمائش میں پورے اتریں دَلِّبُوا نَاسًا مِّنَ الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ الْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

وہ ایک بھی ہو جو ناقص کو خالص سے متمیز کرتی ہو اور تپا تپا کر کھوٹ کو نکال دیتی ہو ہاں مصائب سب سے ڈالے جاتے ہیں ان کے مقابلے کی قوت پیدا ہو مشکلات سب سے پیدا کی جاتی ہیں کہ انسان ان پر غالب آنے کی جدوجہد کرے۔ سختیاں اس لیے عام کی جاتی ہیں کہ اس کی کمزوریاں دور ہوں اور اس کی چھپی ہوئی قوتیں عمل کے میدان میں نمایاں ہوں جو لوگ اس درس گاہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہی دنیا میں کچھ کر کے دکھاتے ہیں اور دنیا میں آج تک جتنے بڑے بڑے کام کیے ہیں وہ اسی درس گاہ کے سند یافتوں نے کیے ہیں۔ تم اس درس گاہ کو بند کر کے دنیا کو راحت کدے میں تبدیل کرنا چاہتے ہو تا کہ تمہاری نسلیں عیش پسند پست حوصلہ کام چور اور بزمول بن کر اٹھیں تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد آسائش کے گہوارے میں آنکھ کھولے۔ اونچے مدرسوں اور شاندار اقامت خانوں میں رہ کر تعلیم حاصل کرے اور جوان ہو کر زندگی کے میدان میں قدم نہکے تو اس طرح کہ اس کے پاس ایک بہتر آغاز کے لیے کافی سرمایہ موجود ہو۔ تم امید رکھتے ہو کہ اس صورت سے وہ دنیا میں کامیاب ہوں گے اور ترقی کے آسمانوں میں چھنکے۔ مگر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی تعلیم و تربیت کے ساتھ تم صرف تیسرے درجہ کے ناطق حیوانات پیدا کر سکتے ہو یا زیادہ سے زیادہ دوسرے درجہ کے۔ درجہ اول کے انسان تمہاری نسلوں میں کبھی نہ اٹھیں گے یقیناً آئے تو دنیا کی تاریخ اور کابال رجال کے سوانح اٹھا کر دیکھ لو۔ تم کو درجہ اول کے جتنے آدمی ملیں گے ان میں سے کم از کم ۹۰ فی صد ایسے ہوں گے جو مفلس و نادار ماں باپ کے ہاں پیدا ہوئے مصیبت کی آغوش میں پرورش پا کر اٹھے تنہاؤ کے خون اور خواہشات کی قربانی کے ساتھ جوانی بسر کی۔ زندگی کے سمندر میں بغیر کسی ساز و سامان کے پھینک دیے گئے۔ موجود سے تیرنا سیکھا، تھپیڑوں سے بڑھنے کا سبق حاصل کیا۔ اور آخر کار سہل کار مرنے پر اپنی برتری کا جھنڈا نصب کر ہی کے چھوڑا۔

چند اور دلیلیں | تین بڑی دلیلیں تھیں۔ ان کے بعد تین چھوٹی دلیلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اختصار کے ساتھ بیان کر کے اختصار ہی کے ساتھ جواب بھی دیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعہ سے اچھی قسم کی نسلیں پیدا کی جا سکتی ہیں جن کی سستی اچھی ہو، قوی مضبوط ہوں، اور جن میں کام کرنے کی عمدہ صلاحیتیں ہوں۔ اس خیال کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ انسان کے ہاں جب کبھی ایک دو بچے ہوں گے، قوی و تندرست، ذہین اور طباع ہوں گے اور جب زیادہ بچے ہوں گے تو سب کے سب کمزور، بیمار بے کار اور کند ذہن ہوں گے لیکن اس مفروضہ کی تائید میں نہ کوئی علمی دلیل ہے، اور نہ باضابطہ مشاہدات و تجربات کے نتائج محض ایک گمان ہی گمان ہے جس کے خلاف ہزاروں شہادتیں عالم واقعہ میں موجود ہیں۔ درحقیقت انسان کی پیدائش کے متعلق کوئی ضابطہ بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ چیز کلیتہً خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور خدا جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ **هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ** (۱۰: ۳) قوی اور تندرست اور ذہین اور کمزور اور مرعوض اور بلید الذہن اولاد نہ ہونے دینا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔

اسی سے قریب المآخذ یہ دلیل ہے کہ ضبط ولادت انسان کو ایسے بچوں کی بے کار پیدائش اور پرورش کی مشقت سے بچا دیتا ہے جن کی دنیا کو ضرورت نہیں ہے۔ جو کبھی کارآمد بننے والے نہیں ہیں یا بلوغ سے پہلے مرجانے والے ہیں۔ یہ خیال اس وقت صحیح ہوتا جب انسان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا کہ کونسا بچہ کن خصوصیات کا حامل ہوگا؟ لائق ہوگا یا نا لائق؟ زندہ رہے گا یا مر جائے گا؟ اس کا وجود کارآمد ہوگا یا بیکار؟ جب یہ چیز انسانی نظر سے قطعاً پوشیدہ ہے تو محض رجائاً یا غیب کوئی رائے قائم کرنا صحیح حماقت ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اس کے حن و جمال میں بھی فرق آجاتا ہے۔ لیکن اشاعت گذشتہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ضبط ولادت کے مصنوعی طریقے بھی صحت اور جمال کے لیے بے ضرر نہیں ہیں۔ ان سے بھی صحت کو اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے جتنا کثرت اولاد سے پیدا ہو سکتا ہے طبی حیثیت سے کوئی ایسا قاعدہ عام مقرر نہیں کیا جاتا۔

کہ عورت کتنے بچوں کی ولادت کا بار اٹھا سکتی ہے۔ یہ بات ہر عورت کے شخصی حالات پر منحصر ہے اگر ایک طبیب کسی عورت کے خاص حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ رائے قائم کرے کہ حمل اور وضع حمل کی تکلیف اس کی زندگی کے لیے خطرناک ہوگی تو ایسی حالت میں بلاشبہ طبیب کے مشورے سے ضبط ولادت کا کوئی مناسب طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر ماں کی جان بچانے کے لیے ضروری ہو تو اسقاط حمل کرنا بھی ناجائز نہیں ہے لیکن صحت کو محض ایک بہانہ بنا کر ضبط ولادت کو ایک عام طرز عمل بنا لینا اور دُاسما اس پر عمل کو تاکسی طرح بھی جائز نہیں۔

اصول اسلام سے کلی منافقا حامیان ضبط ولادت کے مذکورہ بالا دلائل پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تحریک دراصل دہریت والحاد کے شجر خبیث کی پیداوار ہے جن لوگوں کے دماغوں سے خدا کا تصور نکل چکا ہے، اور جو دنیا کے معاملات میں اس نقطہ نظر سے غور و فکر اور تدبیر و تصرف کرتے ہیں کہ خدا سرے سے موجود نہیں ہے۔ یا اگر ہے تو محض ایک معطل ہستی ہے، اور انسان آپ ہی اپنی قسمت کا بنانے والا اور اپنے تمام معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے، وہی اس تحریک کو وجود میں لائے ہیں، اور انہی کے دماغوں کو اس تحریک کے دلائل پل کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں رہتا کہ یہ تحریک اصلاً اسلام کے خلاف ہے! اس کے اصول کلیتہً اصول اسلام کی ضد ہیں، اور اسلام کا عین مقصد ہی اس ذہنیت کو مٹانا ہے جس سے ضبط ولادت جیسی تحریک وجود میں آتی ہے۔

احادیث نبویؐ مسلمانوں میں جو حضرات ضبط ولادت کے موید ہیں ان کو اپنی تائید میں قرآن سے ایک لفظ بھی نہیں مل سکتا اس لیے وہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بعض ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں اس فعل کی اجازت پائی جاتی ہے لیکن حدیث سے استدلال کرنے میں چند امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جن کو نظر انداز کر کے کسی فقہی مسئلہ کا استنباط نہیں کیا جاسکتا۔

اولاً، مسئلہ متعلقہ کے باب میں تمام احادیث کا استقصاء کیا جائے۔

ثانیاً۔ ارشاد نبوی کے موقع محل کو پیش نظر رکھا جائے۔

ثالثاً، اس وقت عرب کے جو حالات تھے ان کو ملحوظ رکھا جائے۔

لہذا ہم ان مینوں اس کو ملحوظ رکھ کر ان احادیث پر نظر ڈالیں گے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ عرب جاہلیت میں برتھ کنٹرول کے لیے قتل اولاد کا طریقہ رائج تھا جس کے دو وجود تھے۔ ایک معاشی حالات کی خرابی جن کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد کو مار دیتے تھے تاکہ ان کے رزق میں کوئی شریک نہ پیدا ہو۔ دوسرے غیرت کا حد سے بڑھا ہوا جذبہ جو لڑکیوں کے قتل کا محرک ہوتا تھا۔ اسلام نے آکر اس کو سختی کے ساتھ منع کیا، اور اس باب میں عربوں کی ذہنی تبدیلی

ہی بدل دی۔ اس کے بعد مسلمانوں کا رجحان عزل Coitus Interruptus

(یعنی مباشرت بلا انزال فی الفرج) کی طرف راغب ہوا۔ لیکن یہ رجحان عام نہ تھا۔ نہ برتھ کنٹرول کی کوئی تحریک جاری ہوئی تھی۔ نہ اس کو قومی پالیسی بنانا مقصود تھا۔ نہ اس کے محرک وہ عہد جاہلیت کے جذبات اور خیالات تھے جن کی وجہ سے قتل اولاد کے ظالمانہ طریقہ پر عمل کیا جاتا تھا۔ بلکہ دراصل اس کے تین وجوہ تھے جو احادیث کے نتیجے سے ہم کو معلوم ہوتے ہیں۔

ایک یہ خیال کہ لونڈی سے اولاد نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ لونڈی کے ام ولد ہو جانے سے یہ خوف تھا کہ وہ فروخت نہ کی جاسکے گی۔

تیسرے یہ کہ زمانہ رضاعت میں حمل ٹھیر جانے سے شیرخوار بچہ کو نقصان پہنچنے کا خوف تھا۔

ان وجود سے مخصوص حالات میں بعض صحابہ نے عزل کی ضرورت محسوس کی اور یہ دیکھ کر

کہ اس فعل کے عدم جواز کا کوئی صریح حکم کتاب و سنت میں نہیں آیا ہے، اس پر عمل کیا، مثلاً ابن

عباس سعد بن ابی وقاص اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہم۔ انہی میں سے ایک حضرت جابر

بھی ہیں۔ جنہوں نے شارع کے سکوت کو رضا پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ ان سے جو احادیث مروی ہیں ان کے

الفاظ یہ ہیں۔

کُنَّا نَعَزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کُنَّا نَعَزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کرتے تھے
کُنَّا نَعَزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔ جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جابر اور ان کے ہم خیال صحابہ نے عزل کے باب میں
کوئی صریح حکم نہ ہونے سے فائدہ اٹھایا۔ ایک اور حدیث جو انہی صحابی سے امام مسلم نے نقل کی ہے،
یہ ہے کہ ہم عہد رسالت میں عزل کرتے تھے۔ اس کی خبر حضو رکوپنچی اور آپ نے ہم کو منع فرمایا: اس
حدیث میں ابہام ہے۔ صاف معلوم نہیں ہوتا کہ عزل کے متعلق کس صورت سے استغنا کیا گیا۔ اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کیا فرمایا۔ اس کی تفصیل دوسری احادیث میں بیان ہوئی ہے۔
ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ ہمارے ہاتھ لونڈیاں آئیں اور ہم نے عزل کیا۔ پھر اس
بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم ایسا کرتے ہو؟ کیا تم ایسا کرتے
ہو؟ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ قیامت تک جو بچے پیدا ہونے ہیں وہ تو ہو کر ہی رہیں گے۔ (بخاری)۔

امام مالک نے موطا میں انہی ابو سعید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق میں
ہمارے ہاتھ لونڈیاں آئیں۔ اہل و عیال سے دوری ہم پر شاق گزر رہی تھی ہم نے چاہا کہ ان عورتوں
سے استمتاع کریں مگر اس کے ساتھ ہماری خواہش یہ بھی تھی کہ ان کو فروخت کر دیں۔ اس لیے ہم نے خیال
کیا کہ ان سے عزل کرنا چاہیے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو۔ ہم نے حضور سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مَا
عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوا۔ مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَانَتْ اِلَا وَهِيَ كَانَتْ۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو کوئی
حرج نہیں۔ قیامت تک جو بچے پیدا ہونے والے ہیں وہ تو ہو کر ہی رہیں گے۔

مسلم کی حدیث ہے کہ جب عزل کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ لا علیکم ان لا تفعلوا ذلکم۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔ ایک روایت حدیث میں ہے۔ ولم یفعل ذلک احدکم تم میں کوئی فعل کیوں کرے؟ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس ایک لونڈی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس سے اولاد ہو۔ اس پر حضور نے فرمایا اعزل عنها ان شئت فانہ نسیاً تیہا ما قدر لہا۔ تو چاہے تو عزل کرے۔ مگر جو لاد اس کی تقدیر میں لکھی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔

ان کے علاوہ حضرت ابوسعید سے ترمذی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ صحابہ میں سے جو اہل علم تھے وہ عموماً عزل کو مکروہ سمجھتے تھے موطا میں امام مالک نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو عزل کو ناپسند کرتے تھے۔

ان سب روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کی اجازت نہ دی تھی۔ بلکہ آپ اس کو ایک عبث اور ناپسندیدہ فعل سمجھتے تھے، اور آپ کے جن اصحاب کو تفقہ فی الدین کا مرتبہ حاصل تھا وہ بھی اس کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے لیکن چونکہ عزل کی کوئی عام تحریک قوم میں جاری نہیں ہوئی تھی، اور اس کو ایک عام قومی طرز عمل نہیں بنایا جا رہا تھا، اور محض چند افراد اپنی غبوریوں اور ضرورتوں کی بنا پر اس فعل کا ارتکاب کرتے تھے اس لیے آپ نے اس کو صاف طور پر ناجائز نہ ٹھہرایا۔ اگر اس وقت برتھ کنٹرول کی کوئی عام تحریک شروع ہوتی تو یقیناً حضور نہایت سختی کے ساتھ اس کو روکتے۔

عزل پر ضبط و لاد کے دوسرے طریقوں کو بھی قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان طریقوں کو شارع نے صرف اس وجہ سے حرام نہیں کیا کہ بعض حالات میں انسان فی الواقع ان کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور احتیاط کا مقتضی ایسی ہے کہ اس کو ایسا کرنے کی اجازت دیدی جائے مثلاً

عمل ٹھہرنے سے عورت کی جان کا خطرے میں پڑ جانا، یا اس کی صحت کو غیر معمولی نقصان پہنچنے کا خوف، یا زائد رضاعت میں شیر خوار بچے کو مضرت پہنچنے کا اندیشہ، یا اور ایسے ہی دوسرے وجوہ ان حالات میں اگر آدمی طبی مشورے سے ضبط ولادت کا کوئی طریقہ اختیار کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ لیکن بلا ضرورت اس کو ایک عام طرز عمل بنانا احکام اسلام کے قطعاً خلاف ہے، اور وہ تمام خیالات جن کی بنا پر ایسا طرز عمل اختیار کرنے کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے، اصول اسلام کے بالکل منافی ہیں۔

مرآۃ المثنوی

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دارالترجمہ
 مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین
 کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور
 ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کسی اندکس اور فہرستین بھی ہیں جن کی
 مدد سے آپ حسب منشاء جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے۔
 غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایسی سہولت ہیا کر دی
 ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالعہ پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔
 کاغذ کتابت طباعت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت کے انگریزی لکھنے والے
 دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے